اس معاملے میں کوئی اختیار نہ ہو، اُن کے سامنے گلہ و شکایت کرنا غیبت کی تعریف میں آجائے گا۔ اگر تحقیق اور اصلاحِ احوال کے لیے ذمہ دار افراد کے سامنے بات رکھنے سے بھی تنازعہ حل نہ ہو، تو پھر تیسرے مرحلے میں ایسے اجتماعی فورم میں بات رکھیں جو اس کو حل کرنے کے لیے ذمہ دار اور مجاز ہو۔ اگر اسی ترتیب سے تنازعہ حل کرنے کی کوشش کی جائے، اور کسی مرحلے میں بھی کسی غیر متعلق فرد کو اس میں گھسیٹنے کی کوشش نہ کی جائے تو بہت سے تنازعات حل ہو جائیں گے۔ اور جو حل نہ ہوں گے ان کا فساد اپنے دائرے سے باہر نہیں پھیلے گا۔ اس ترتیب وار کوشش سے بھی اگر کوئی تنازعہ حل نہ ہو تو پھر سب سے بہتر راہ صبر کی راہ ہے۔ ہر قدم پر یہی صبر درکار ہے۔ لیکن اس صورت میں تو عزم و محبت کا یہ کردار اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا محبوب ہے۔ اسی لیے اس نے لَا تَنَازَعُوْا (جھگڑا نہ کرو) کے متصل ہی "وَاصْبِرُوْا" کی ہدایت فرمائی۔

مختلف سطح پر جماعت کو چلانے کے لیے ذمہ دار رفقا اگر صبر و سکون اور ہمدردی سے اپنے رفقا کی بات سننے کا ظرف اور حوصلہ پیدا کریں اور اپنے برتاؤ کو انصاف، نرمی اور عفو و درگزر پر قائم کریں تو ان کے اور ان کے ساتھ چلنے والے رفقا کے مابین تنازعات بھی کم سے کم ہوں گے۔

جماعت کی قوت کے لیے ذمہ داروں میں کیا اوصاف ہونے چاہییں، اور ذمہ داران اور ان کے ساتھیوں کے درمیان تعلقات کن بنیادوں پر قائم ہونا چاہییں، ان سے باخبر ہونا، اور ان پر عمل پیرا ہونا بھی ضروری ہے۔ ہمارے لٹریچر میں اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہوا موجود ہے اس سے بھرپور استفادہ کرنا چاہیے۔

حکمتِ سید مودودیؒ

کثرتِ تعداد یا قابلِ اعتماد و کردار والے لوگ

جو چیز میں نے جماعت کی تشکیل میں پیشِ نظر رکھی وہ یہ تھی کہ جماعت ایسے افراد پر مشتمل ہونی چاہیے جو نہ صرف عقیدے میں مخلص ہوں، بلکہ اپنی انفرادی سیرت و کردار میں بھی قابلِ اعتماد ہوں۔ میرے ۲۲ سال کے مشاہدات یہ بتا رہے تھے کہ مسلمانوں کی جماعتوں اور تحریکوں کو جس چیز نے آخر کار خراب کیا وہ اچھے لوگوں کے ساتھ بہت سے ناقابلِ اعتماد لوگوں کا شریک ہو جانا تھا۔ تحریکِ خلافت میں بڑے بڑے نیک اور فاضل اور بہترین اخلاق کے لوگ شامل تھے۔ لیکن ایک کثیر تعداد اس میں ایسے کارکنوں کی بھی آکر شامل ہو گئی تھی جو سیرت و کردار کے لحاظ سے ناقص تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اپنے اعمال سے تحریک کو بدنام کیا۔ اپنے بہترین لیڈروں کو بدنام کیا۔ مسلمانوں نے جو لاکھوں کروڑوں روپیہ جمع کر کے اس کارِ خیر کے لیے دیا تھا، اس کا اچھا خاصا حصہ ان غلط کارکنوں کے ہاتھوں خورد برد ہوا۔ اور ایک مدتِ دراز تک مسلمانوں میں چندے کا نام لینا مشکل ہو گیا کیونکہ عوام سے چندہ لے کر کام کرنے والے کارکنوں کا اعتماد اس بُری طرح مجروح ہو چکا تھا کہ مخلص اور نیک نیت کارکن بھی اگر کسی اچھے کام کے لیے لوگوں سے مالی مدد طلب کرتے تھے تو لوگ سمجھتے تھے کہ یہ چندہ کھا جائیں گے۔ انہی مشاہدات کی بنا پر میں نے یہ رائے قائم کی کہ اصل اہمیت کثرتِ تعداد کی نہیں بلکہ قابلِ اعتماد سیرت و کردار رکھنے والے کارکنوں کی ہے۔ خواہ تھوڑے ہی افراد ملیں، مگر بہر حال ہماری جماعت صرف ایسے لوگوں پر مشتمل ہونی چاہیے جن میں سے ایک ایک فرد کی سیرت قابلِ اعتماد ہو۔ جس کے قول اور عمل پر لوگ بھروسہ کر سکیں، جس کے ہاتھ میں مسلمان اپنا مال اطمینان کے ساتھ دے سکیں اور ان کو پورا یقین ہو کہ جس کام کے لیے یہ مال اس کے ہاتھ میں دیا جا رہا ہے اسی کام میں صرف ہو گا۔

(جماعتِ اسلامی کے ۲۹ سال)

آنحضرتؐ کی سیاسی زندگی کے چند گوشے

جناب پروفیسر حافظ محمد یسین صاحب - انجنیرنگ کالج - ٹیکسلا

تاریخِ انسانی میں چھٹی صدی عیسوی کو اس اعتبار سے بہت بڑی اہمیت حاصل ہے کہ اس میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا عظیم الشان واقعہ ظہور میں آیا۔ اس زمانے میں مختلف ملکوں کے حکمران بڑے بڑے پُرشکوہ خطابات کے ساتھ حکمرانی کی مسندوں پر متمکن تھے۔ اور لوگ ان کے قہر و جبروت سے ہر وقت لرزہ براندام رہتے تھے۔ یونان کے شہنشاہ کو بطلیموس کے لقب سے پکارا جاتا تھا، ترکوں کا حکمران خاقان کے لقب سے سرفراز تھا۔ فارس کے فرمانروا کو کسریٰ کا لقب عطا ہوا تھا۔ روم کا بادشاہ قیصر کہلاتا تھا۔ اور ملک حبش کے شہنشاہ کو نجاشی کہا جاتا تھا۔

حکمرانی کے اعتبار سے یہ نہایت جبر و ستم کا دور تھا اور اس عہد کی پوری انسانیت ان شخصی حکومتوں اور مطلق العنان فرمانرواؤں کے شدائد و مظالم کے شکنجے میں جکڑی ہوئی تھی۔ کسی کو ان کے سامنے دم مارنے کی جرأت نہ تھی اور کوئی ان کے حضور گردن اونچی کر کے کھڑا نہیں ہو سکتا تھا، سب کے سر جھکے ہوئے اور نگاہیں نیچی رہتی تھیں۔

اس دورِ تاریک اور عہدِ غلامی میں حضرت محمد مصطفےٰ خلیفۃ اللہ اور رسول اللہ کے مقدس و مطہر خطابات سے سرفراز ہو کر دنیا میں تشریف لائے اور ان کو چونکہ انسانی معاشرہ میں مبعوث کیا گیا تھا۔ لہٰذا وہ "محمد اً عبدہٗ و رسولہٗ" کہلائے۔ مطلب یہ تھا کہ لوگ ان سے مانوس ہو جائیں اور یہ حقیقت ان کے ذہن میں راسخ ہو جائے کہ یہ انسان ہیں اور انہیں

اللہ نے انسانوں کی طرف رسول اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ انہی کے ذریعے سے صحت مند انسانی معاشرہ پیدا ہوگا، انہی کی جدوجہد سے انسانوں کی قسمت بدل جائے گی اور انہی کی تبلیغ سے انسانیت کا سر اُونچا ہوگا اور ان میں ایسی سیاسی بیداری کروٹ لے گی جو رُوحانیت سے مالا مال ہوگی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی بعثت سے کفر کی تاریکی ختم ہوئی اور اسلام کا سُورج طلوع ہوا، ظلم وستم نے رختِ سفر باندھا اور عدل وانصاف کا دَور دَورہ ہوا۔ غرور وتکبر کے صنم کدے منہدم ہوئے اور دُنیا میں اعتدال و توازن کی فضا پیدا ہوئی، حکومت کے ایوانوں سے شخصی اقتدار کا خاتمہ ہوا اور اسلامی جمہوریت اور دینی سیاست نے کروٹ لی۔ بت پرستی کا پُرانا قلعہ زمین بوس ہوا اور اس کے بجائے اللہ کے صاف ستھرے قوانین واحکام کا بول بالا ہوا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے کرۂ ارض خدا کے نازل کردہ فرامین وارشادات سے منور وتاباں ہوگیا۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ سب سے پہلے سطحِ ارض پر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ اس کے بعد ان قوانین واحکام نے اپنی جھلک دکھائی جو اللہ کی طرف سے نازل فرمائے گئے اور انسانی فطرت کے ہم آہنگ ہیں۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی وہ معاشرہ وجود میں آیا جس نے اپنے پیغمبر کے حکم سے ان قوانین پر عمل وکردار کی بنیادیں استوار کیں۔ یہ ایسا پاکیزہ معاشرہ تھا جو اس سے قبل نہ چشمِ فلک نے دیکھا تھا اور نہ زمین کی پلیٹ کبھی اس قسم کے لوگوں سے آشنا ہوئی تھی۔ وہ ایک مثالی معاشرہ تھا اور اس کا ہر فرد خیر وبرکت کی بے پناہ دولت سے بہرہ ور تھا۔ یہ معاشرہ صرف تیئیس سال کی مختصر ترین مدت میں زمین پر جلوہ گر ہوگیا تھا۔ اب پُرانے تصورات، پُرانی روایات اور پُرانی اقدار جن کا رُوحانی پاکیزگی اور اسلامی سیاست سے کوئی علاقہ نہ تھا، سب ختم ہوچکی تھیں۔ اس کی جگہ اسلام کا دَور شروع ہوا۔ اسلام کی حکومت قائم ہوئی۔ اسلام کا نظامِ اجتماعی عالمِ وجود میں آیا۔ اور ہر سُو خیر ہی خیر نظر آنے لگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے ابتدائی دَور ہی سے یہ حقیقت واضح ہونے لگی تھی کہ رُوحانی پاکیزگی وطہارت کے ساتھ ساتھ ان میں حکومت کی ذمہ داری

اور دُنیا کی سیاسی قیادت و امامت کے آثار بھی بہ درجہ اتم موجود ہیں اور جس مذہب اسلام کی آپؐ لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں وہ دُنیا کی سب سے بڑی طاقت بن کر اُبھر گا۔ اور انسانیت کی بھلائی صرف اسی کی اتباع میں ہے۔

انسانی زندگی میں خواب کو ہمیشہ اہمیت حاصل رہی ہے۔ آنحضرتؐ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی پیدائش سے قبل خواب میں ایک سُنہری زنجیر دیکھی جو مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ لوگوں نے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ اُن کی نسل میں ایک ایسی برگزیدہ شخصیت پیدا ہوگی جس کے زیرِ فرمان اہلِ مشرق بھی ہوں گے اور اہلِ مغرب بھی، یعنی تمام لوگ کسی نہ کسی انداز میں اس کے اطاعت گذار ہوں گے[1]

اِسی طرح آپؐ کی والدہ مکرمہ آمنہ بنت وہب نے آپؐ کی ولادت سے پہلے ایک خواب دیکھا، جس کی تعبیر یہ دی گئی کہ اُن کے ہاں ایک ایسا بچہ جنم لے گا جو ایک دُنیا کا سردار ہوگا[2]

ایک شخص خالد بن سعید نے آنحضرتؐ کی پیدائش سے کئی سال بعد خواب دیکھا کہ بئر زمزم سے روشنی کا فوّارہ بلند ہو رہا ہے — چنانچہ آنحضرتؐ نے جب اپنی نبوّت کا اعلان فرمایا اور اُمتِ مُسلمہ معرضِ تنظیم میں آنے لگی تو خالد بن سعید صرف اس خواب کی وجہ سے اسلام قبول کر کے مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گئے[3]

آنحضرتؐ جس سال پیدا ہوئے وہ واقعۂ فیل کا سال تھا یعنی یمن کا حبشی حکمران ابرہہ ہاتھی پر سوار ہو کر خانہ کعبہ کو ڈھا دینے کے لیے آیا۔ لیکن قانونِ خداوندی کا اس طرح ظہور ہوا کہ اس نے شکست کھا کر واپسی کی راہ لی۔ یہ واقعہ ابرہہ کی نسبت کے اعتبار سے اپنے اندر بڑی سیاسی اہمیت رکھتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے

---

[1] روض الانف السہیلی، جلد اوّل ص ۱۰۵

[2] روض الانف (سہیلی) جلد اوّل ص ۱۰۵

[3] تاریخ کامل ابن الاثیر جلد اوّل ص ۱۶۲

بیت اللہ کو امن و سلامتی کے پُر عظمت مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ اولادِ اسماعیل نے اجتماعی طور پر اس کے تقدس کی حفاظت کی۔ آگے چل کر قصی بن کلاب نے ملکِ عرب میں اس کی سیاسی مرکزیت کو قائم رکھا۔ ابرہہ چاہتا تھا کہ اللہ کی حکمرانی کے اس مرکزی مقام کو منہدم کر دیا جائے۔ لیکن اللہ نے اس پر حملہ کرنے والوں کو بساطِ عالم سے مٹا دیا۔

جب عالمِ انسانیت کے مذہبی مرکز میں یہ واقعہ ایک بہت بڑے سیاسی واقعہ کی حیثیت سے رُونما ہو چکا تو اسی مقام پر اسی سال اس شخصیت کا ظہور ہوا جس کی جدوجہد میں مستقبل کی تمام دُنیا کا امن وابستہ تھا۔ تاریخ میں اسے عام الفیل کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ قدرتِ خداوندی کی کرشمہ سازیاں دیکھیے کہ فارس کی سرزمین پر اس سال نوشیرواں عادل حکمران تھا اور یہ نوشیرواں کا بیالیسواں سالِ جلوس تھا۔ صحیح ترین روایات کے مطابق آنحضرتؐ کی ولادتِ باسعادت دوشنبہ کے روز ۹ ربیع الاوّل مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی۔ کتبِ تاریخ میں مقامِ ولادت دار ابو یوسف کے نام سے معروف ہے[1]۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ یومِ اوّل سے یومِ آخر تک بے شمار سیاسی واقعات کا حسین ترین مرقع ہے۔ آپ کی ولادت سے پہلے اور ولادت کے وقت اگر اس دور کے مشاہیر مذہبی رہنماؤں کا یہ خیال تھا کہ عبدالمطلب کے گھر میں اقوامِ عالم کا سردار پیدا ہوگا تو پیدائش کے بعد اس خیال نے حقیقت کا روپ دھار لیا اور جو کچھ وہ سُنتے یا کہتے آئے تھے، وہ باتیں واقعاتی صورت میں دُنیا کے سامنے جلوہ گر ہو گئیں۔

بہت سے ممتاز و مشہور مصنفوں نے آنحضرتؐ کی سیرت نگاری کا فریضہ انجام دیا ہے۔ جن میں علامہ سہیلی کا اسمِ گرامی بھی شامل ہے۔ وہ رقم طراز ہیں کہ حضرت آمنہ اپنے اس فرزندِ عالی مرتبت کی ولادت سے پہلے ہی آنے والے واقعات کی روشنی کی

---

[1] تاریخ الامم والملوک طبری جلد ۲ صفحہ ۱۲۷